

مستنصر حسین تارڑ کے افسانوں میں پاکستانی تہذیب و معاشرت کی عکاسی

Reflection of Pakistani culture and society in the fictions of Mastansir Hussain Tarar

ڈاکٹر سبینہ اویس اعوان، اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج وومن یونیورسٹی، سیالکوٹ

Dr. Sabina Awais, Assistant Professor Urdu, Govt. College Women University, Sialkot

ڈاکٹر عمارہ طارق، ایسوسی ایٹ پروفیسر اردو، ایجوکیشن یونیورسٹی لاہور

Dr. Ammara Tariq, Associate Professor. Urdu, University Of Education, Lahore.

Abstract

Mustansir Hussain Tarrar is a famous writer of Urdu fiction. He is an author, television anchor, tourist, novelist, columnist and short story writer. He focused irritation, disappointment, mental disturbance of the people of Pakistan in his short stories. He discussed the climatic conditions of the region and its effects on animals and birds. Moreover the reader find the changing human culture in different character pf the short stories. Ther character used in his fiction have multidimentional approach and has strong binding with these social and cultural values as depicted in his findings. Tarar has made his short stories more impressive through the modern techniques (like myth). His also take the martial law as a subject. All of his fiction. In this article, the reflection of the cultures of Pakistan in his short stories is being discussed.

Key Word: Saleem Akhtar, 15 Stories, Safeer Haider, Farzana Syed, Pakistani Culture.

کلیدی الفاظ: سلیم اختر، ۱۵ کہانیاں، سفیر حیدر، فرزانہ سید، پاکستانی ثقافت

مستنصر حسین تارڑ (پ ۱۹۳۹) ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک اور ایک کُل وقتی ادیب ہیں۔ فکشن کی جملہ اصناف کے ساتھ ساتھ ادبی تاریخ میں انکا معروف حوالہ سفر نامہ نگار کے طور پر ملتا ہے لیکن مقدم تخلیقی حوالہ ایک ناول نگار کے طور پر مسلمہ ہے۔ انھوں نے ٹیلی

ویژن کے لیے ڈرامے لکھے، اداکاری کی، نظامت کے فرائض سرانجام دیے اور متعدد ایوارڈ حاصل کیے۔ ان کا اولین عشق مسافرت، سیاحت اور سفر ناموں سے رہا۔ ان کا شمار اردو ادب کے متحرک ادیبوں میں ہوتا ہے۔ اُن کے کالم اردو، انگریزی اخبارات میں تو اتر کے ساتھ شائع ہوتے رہے، جن کو قارئین ادب نے بہت سراہا۔ ان کے سفر ناموں، ناول نگاری، کالم نگاری پر مختلف مقالات، تنقیدی مضامین لکھے جاپچے ہیں۔ اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ ان کے اظہارِ فن کے وسیلے پنجاب کی زندگی، ثقافت اور سماجی تناظر ہے۔ ان کے افسانے اپنے اندر زندگی کا حُسن بھی رکھتے ہیں اور انسانی زندگی کو بھی آشکار کرتے ہیں۔ ان کے افسانے قاری کو فرحت بخش طمانیت عطا کرتے ہیں۔ یہ مصنف کی انگلی تھامے اپنے معاشرے کے ان دیکھے افراد سے ملواتے ہیں۔ افسانوں میں قاری کی دل چسپی ابتدا سے آخر تک مسلسل قائم رہتی ہے۔

ڈاکٹر فرزانہ سید ان کی تحریروں کے حوالے سے لکھتی ہیں:

”اُن کے افسانے اور ناولٹ بھی اُن کے سفر ناموں کی طرح نئے تجربوں کی گہرائی اور اسلوب کی انفرادیت لیے ہوتے ہیں ان کے ادبی تصورات اور رجحانات کی بنیاد انسان دوستی اور روشن خیالی ہے۔“^۱

مستنصر حسین تارڑ کے افسانے جدید اردو افسانے کی دنیا میں منفرد مقام رکھتے ہیں۔ ان کے سفر نامے، ناول، کالم اور ڈرامے قارئین میں بہت مقبول ہوئے۔ اس کے باوجود وہ افسانہ کو ایک نئی تخلیقی جہت سے ضرور روشناس کرواتے ہیں۔ مستنصر حسین تارڑ کا افسانہ نگاری کی جانب راغب ہونا اردو ادب کے لیے ایک عمدہ امر ہے جس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

مستنصر حسین تارڑ کے افسانوں میں پاکستانی معاشرت کی عکاسی مختلف طبقات کے مسائل، پسے ہوئے طبقوں کی نمائندگی ملتی ہے۔ انھوں نے دنیا کے مختلف معاشروں میں معاشرتی کجیوں اور تضادات کو مختلف کرداروں کی صورت میں بیان کیا ہے۔

ڈاکٹر سلیم اختر ان کے متعلق لکھتے ہیں:

”مستنصر حسین تارڑ اپنے افسانوں میں غیر ملکی فضا کی خوشبو لے کر آئے۔ خوب صورت اسلوب، تکنیک کا کھرا ہوا شعور اور اجنبی مگر مانوس مانوس سے کردار اُن کے فن کی اساس بنتے ہیں۔“^۲

مستنصر حسین تارڑ کا اولین افسانوں کا مجموعہ ”سیاہ آنکھ میں تصویر“ سنگ میل پہلی کیشنر لاہور سے ۱۹۹۹ء میں شائع ہوا۔ اُن کا دوسرا افسانوں کا مجموعہ ”۱۵ کہانیاں“ سنگ میل

پہلی کیشنز لاہور سے ۲۰۱۵ء میں شائع ہوا۔ یہ مجموعہ اولین افسانوں کے مجموعہ کے سولہ برس بعد شائع ہوا۔

یہ ایک حیران کن امر ہے کہ مستنصر حسین تارڑ سفر نامہ نگار، ناول نگار، کالم نویس ہوتے ہوئے بھی افسانے کی جانب راغب ہوئے اور عمدہ افسانے تخلیق کیے۔ سفر نامہ ہو یا ناول نگاری، افسانہ نگاری ہو یا کالم نویسی مستنصر حسین تارڑ کسی ایک یا چند موضوعات پر قناعت کرنے والے ادیب نہیں۔

مستنصر حسین تارڑ کے افسانوں میں تاریخ و تہذیب اور ثقافت کے عناصر ہیں۔ وہ افسانے میں تاریخ، پاکستانی تہذیب، مزاج، معاشرتی رویوں اور عادات کو فن کاری سے بیان کرتے ہیں کہ قاری اور مصنف کا رشتہ تاریخ و روایت کے ساتھ استوار رہتا ہے۔ وہ اپنی تخلیقی صلاحیتوں اور فکری لیاقتوں سے ثقافتی، تہذیبی اور تاریخی واقعات کو کہیں تلخی کے انداز میں مختلف مذہبی پیرائے میں بیان کرتے ہیں۔ وہ واقعات جو بڑی بڑی تاریخی کتابوں میں نہیں ملتے تارڑ کسی نہ کسی صورت میں وہ واقعات اپنے افسانوں میں پیش کرتے ہیں۔ وہ دیہی زندگی کا ایک حقیقت پسندانہ عکس پیش کرتے ہیں:

”ہم اس دھرتی کے جنور ہیں۔ ہمیں اس کی خدمت کرنے دو۔ ہم نے تمہیں اپنے کھیتوں کی حفاظت کرنے کے لیے منتخب کیا تاکہ اس کی منڈیریں ڈھس نہ جائیں۔ ان میں چوہے اور نیولے سوراخ نہ بنالیں۔ کوئی شریک پانی کو روک کر اس کا رخ اپنے کھیتوں کی طرف نہ کر لے۔ تاکہ تم فصلوں کو چڑیوں اور کالے ڈھور کوؤں سے بچائے رکھو۔“^۳

مصنف کے لیے پاکستانی تہذیب و معاشرت کی عکاسی بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ ادیب کو فکری آزادی کا پورا پورا حق حاصل ہوتا ہے۔ مستنصر حسین تارڑ پاکستان کے جس بھی خطے میں گئے وہاں کے معاشرے کے حقائق غیر جانب دارانہ انداز میں سامنے لائے۔ ان کی تحریریں قارئین کے لیے دل چسپی کا باعث بننے کے ساتھ ساتھ معلومات کا ذخیرہ بھی پیش کرتی ہیں۔

ان کے افسانوں میں معاشرتی جبر و استحصال، آمریت کے خلاف احتجاج موجود ہے شاید اسی وجہ سے ان کے افسانوی کرداروں میں مایوسی اور اُداسی کا تصور موجود ہے۔ مستنصر حسین تارڑ کے افسانے ملکیت، معاشرتی جبر اور آمریت کے خلاف ہیں۔

مستنصر حسین تارڑ نے انگلستان کے پس منظر میں دو پاکستانی نوجوانوں کا قصہ ”یارک شارز کی گائے“ بیان کیا ہے جس میں ایک سادہ لوح فرید جو ہفتہ کی رات کو رنگین بنانے

کے لیے کسی بھی گوری رنگت والی لڑکی کو ڈھونڈ لیتا ہے۔ مستنصر حسین تارڑ نے انگلستانی معاشرے میں پاکستانیوں کے کردار اور ذہنی مزاج کی عکاسی کرتا یہ افسانہ سادہ بیانیہ انداز میں لکھا ہے۔ پیش نظر افسانے کے مطالعہ سے تصنع اور بناوٹ کا احساس ہوتا ہے خصوصاً افسانے کے کلائمکس اور انجام کے بارے میں قاری کو خود بخود قیاس ہونے لگتا ہے۔

مستنصر حسین تارڑ نے اپنے افسانے ”ٹائم مشین“ میں ایک انگریز کو ٹائم مشین کی مدد سے ماضی کی سیر کی دعوت دی اور غلطی سے وہ پندرہویں صدی کے بجائے بیسویں صدی کے مشرق جا پہنچتا ہے۔ ماہر مصنف نے ان افسانوں میں پاکستانی معاشرے کی کمزوریوں پر طنز کیا ہے۔

مستنصر حسین تارڑ نے سیاسی جبریت کے بڑھتے ہوئے سایے کو ”گیس جیمبر“ میں بیان کیا ہے۔ انھوں نے نومولود بچے کی آنکھ سے اس دنیا میں بڑھتی ہوئی آلودگی کے زہر کو دکھایا ہے۔ نئی نسل کو جن مصائب کا سامنا ہے اس دنیا میں زندگی کی ابتدا سے ہی کرنا پڑتا ہے، وہ تو بنیادی ضروریات جو حیات انسانی کے لیے ناگزیر ہیں لیکن یہ بنیادی ضروریات بھی کم یاب اور کٹافٹوں سے بھری ہوئی ہے ایک نومولود بچے کی ضرورت دودھ، ہوا اور نیند ہیں۔ اسے ماں کے دودھ کے بجائے ڈبے کا دودھ ملتا ہے جو اس کے ننھے پیٹ میں کٹافٹوں کو جمع کر رہا ہے۔ شور کی وجہ سے وہ نیند نہیں لے سکتا۔ یہاں تک کہ سانس لینے کے لیے اسے آلودگی سے پاک ہوا بھی میسر نہیں۔ انسان جس قدر تیزی سے فطرت کو تباہ کر رہا ہے اتنی ہی تیز رفتاری سے فطرت اس کے خلاف صف آرا ہو رہی ہے۔ تارڑ کا یہ افسانہ معاشرتی شعور کو بیدار کرنے اور جھنجھوڑنے کی ایک عمدہ کاوش ہے یہ ایک مؤثر افسانہ ہے جس میں واقعات ہی نہیں پلاٹ بھی موجود نہیں۔ اور نہ بہت زیادہ کرداروں کی بھرمار ہے لیکن بات قاری تک پہنچ رہی ہے۔

مستنصر حسین تارڑ نے آمریت اور اس کے جلو میں ظلم کے بڑھتے ہوئے سائے کو اپنے افسانے ”لوہے کا کتا“ میں بیان کیا ہے۔ دیہات کی فضا میں لکھا یہ افسانہ فنی بنت کے حوالے سے شان دار ہے۔ بوڑھے اور جوان دیہاتی ہمیشہ کی طرح اساس ذمہ داری اور تھکن کے بوجھ تلے دبے مقدور بھر کام کر رہے ہیں۔ یہ ایک مؤثر افسانہ ہے جملے بڑے نپے تلے ہیں۔

مستنصر حسین تارڑ کے افسانوں میں موت اور فنا کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ ان کے افسانے ”آکٹوپس“ کی فضا میں خوف، حیرت اور شک کے عناصر چھائے ہوئے ہیں۔ مارشل لا جبر و استبداد کا دوسرا نام ہے جو انسان کی ذہنی و نفسیاتی کیفیت کو بُری طرح متاثر کرتا ہے۔ جب ایک فرد معاشرے کی تشکیک اور بے رحمی کے بعد لایعنیت کا شکار ہے۔ پابند معاشرے میں

افسانے کا جو اسلوب ہے اس کو بیان کیا گیا ہے۔ ”بادشاہ“ مستنصر حسین تارڑ کا ایک افسانہ ہے جو تیسری دنیا کے مسائل اور تیسری دنیا کے حوالے سے سپر پاور طاقتوں کے اندازِ نظر کو وسیع و ثن میں بیان کرتا ہے۔ ”بادشاہ“ کا مرکزی کردار ایک ایسا بوڑھا ہے جس نے ایک ایسی مشین ایجاد کر رکھی ہے جس سے مکھیوں کا صفایا ہو سکے۔ ساتھ ہی اس نے ساحلی علاقے کی تمام بلیوں کو مچھلی کے گوشت کا عادی بنا رکھا ہے۔ بلیاں جو گوشت خور ہو چکی ہیں ایک رات گوشت نہ ملنے پر بوڑھے بادشاہ کا ماس کھا لیتی ہیں۔ پیشِ نظر افسانے میں مصنف نے مطلق العنان قوتوں کی اپنے سے کم تر مخلوق کے ساتھ نفرت و بیزاری کا سلوک دکھایا ہے۔ جہاں کمزور کو جینے کا حق دینا ناجائز سمجھا جاتا ہے۔ انھوں نے غیر محسوس انداز میں مکھیوں اور تیسری دنیا کے ممالک کے درمیان مماثلت جوڑی ہے۔

زیرِ نظر افسانہ اس استحصالی نظامِ پاروش کی طرف اشارہ ہے جس میں تیسری دنیا پر مسلط بڑی طاقتیں غربت اور مہنگائی میں پے ہوئے طبقے اور ملکوں کے مسائل کو استعمال کرتی ہیں۔

مستنصر حسین تارڑ کے افسانے ملکیت، معاشرتی جبر اور آمریت کے خلاف ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے افسانوں میں فنا اور اُدا سی کا عنصر بھی ملتا ہے۔ وقت کا تصور ان کے افسانوں میں ایک ایسی بے رحم حقیقت اور اس ازلی غم سے جڑا ہوا ہے جس سے ہر باشعور انسان کو گزرنا پڑتا ہے۔ ان تمام حالات و واقعات کی عکاسی مستنصر حسین تارڑ کے افسانوں میں بآسانی دیکھی جاسکتی ہے۔

پاکستانی قوم کا ایک حصہ مختلف توہمات میں گرفتار ہے۔ مستنصر حسین تارڑ نے ان توہمات کی ترجمانی مختلف کرداروں کی زبانی اپنے افسانوں میں کی ہے۔ مثلاً چیل کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ گھر کی مٹی پر بیٹھے تو گھر تباہ و برباد ہو جائے گا اور اسی طرح مور کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ موت کی علامت ہے جب کہیں جنگل میں سے گھر آجائے گا تو وہاں موت ہو جائے گی۔

مستنصر حسین تارڑ کے افسانوں میں جذباتی فضا افسانے کی دل کشی میں اضافہ کرتی ہے۔ انھوں نے اپنے افسانوں میں حقیقت نگاری کی روایت کو بیان کرتے ہوئے دیہی زندگی کے حُسن اور وہاں کے باشندوں کی مجبوریوں کی عمدہ مرقع کشی کی۔ ان کے افسانوں میں فطرت اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔ انھوں نے معاشرے کے جبر و استحصال کے نتیجے میں افراد کے بدلتے رشتوں کو حقیقت کے انداز میں پیش کیا۔ انھوں نے اسی دیہاتی معاشرت کے تناظر میں استحصال پسند اور استحصال زدہ افراد کی جاندار تصویریں پیش کی ہیں۔

مستنصر حسین تارڑ نے ان افسانوں میں معاشرتی اور تہذیبی انتشار کے پس منظر میں پاکستان میں ذہنی پس ماندگی اور مایوسی کو موضوع بنایا ہے۔ انھوں نے اپنے افسانہ ”اے میرے ترکھان“ میں فکری اور نظریاتی محاذ آرائی ان طاقتوں کے خلاف کی ہے جو ترقی پذیر ممالک میں اپنے استحصال کرنے والے بچے گاڑے ہوئے ہیں۔

”جیسے مٹی اپنے اندر دفن شاہ و گدا کا کچھ لحاظ نہیں کرتی ایسے وہ تابوت کی لکڑی کی کوالٹی کا بھی لحاظ نہیں کرتی۔ وہ مساوات کی قائل ہے۔“^۴

ان افسانوں میں افسانہ نگار کے پاس نہ صرف اس زمین کے مختلف النوع بسنے والے لوگ و جانوروں، پرندوں اور ان پر اترنے والے موسموں کے حیرت انگیز تجربات ہیں پھر ان کے اجتماعی لاشعور میں سے قصے اور گیت اور ان میں تحلیل عرفان ذات اور معرفت بھی ہے جو قصہ پن کو جاذبیت عطا کرتی ہے۔

مستنصر حسین تارڑ پاکستان کے تشدد بھرے منظر نامے کو لکھنے والوں کے خلاف بھرپور احتجاج کرتے ہیں۔ اور ایسی مذہبیت کے خلاف ہیں جس نے پاکستان میں قتل و غارت پھیلانی۔ انھوں نے ایک سمجھ دار لکھاری کے مانند اپنے سفری تجربات و مشاہدات کو افسانوں کی صورت میں پیش کیا۔

مستنصر حسین تارڑ کے افسانوی کردار اپنی ذات کے گرد ایک رومانی ہالہ بھی بنتے ہیں البتہ ان کی کہانیوں میں ابلاغ کی صفت، خوبی بھی موجود ہے۔ انھوں نے قارئین کی سہولت کے لیے بیانیہ اور علامتی تکنیک دونوں استعمال کی ہیں۔ مستنصر حسین تارڑ کا اولین عشق سیاحت ہے انھوں نے اندرونی و بیرونی ممالک کے سفر کیے۔ ان کے افسانے کسی مخصوص معاشرت کے ترجمان نہیں ہیں بلکہ مختلف وکیل لیے ہوئے ہیں۔ مصنف اور ان کے کردار سیاحت کے شائق دکھائی دیتے ہیں۔

ڈاکٹر انور احمد لکھتے ہیں:

”نگر نگر گھومنے والے اس شخص کے افسانوں میں عموماً ہمارے دیہی زندگی کے کردار یا فضا ملتی ہے۔ جس میں خالص پاکستانی مٹی کی خوشبو موجود ہے۔“^۵

ڈاکٹر انوار احمد کی محولہ بالا رائے سے اختلاف کی گنجائش ہے کیوں کہ ان کے افسانوی مجموعوں میں ”کوٹ مراد“ اور ”لوہے کا کتا“ میں پاکستانی دیہی فضا دکھائی دیتی ہے۔ البتہ ”لوہے کا کتا“ ایک علامتی افسانہ ہے ان کے اولین افسانوی مجموعہ ”آدھی رات کا سورج“ کے متعلق فرزانہ سید لکھتی ہیں:

”..... ان کے افسانوں میں آج کی سیاسی و سماجی صورت حال نمایاں ہوتی ہے۔ وہ

پورے عہد کے جبر اور تشدد کو محسوس کر کے لکھتے ہیں۔ اور سیاہ آنکھ میں تصویر،
بادشاہ اور کوٹ مراد اس کی واضح مثالیں ہیں۔“^۶

ڈاکٹر محمد سفیر اعوان اپنے مضمون ”خس و خاشاک تلے ایک مابعد جدید تجزیہ“ میں

رقم طراز ہیں:

”مستنصر حسین تارڑ..... مگر مگر مگر گھومنے والے افسانہ نگار، ناول نگار، افسانہ
نگار، ڈراما نگار، ٹی وی میزبان اور ایک کالم نگار کی حیثیت سے ان کی شخصیت کی کئی
جہتیں ہیں۔ تاہم علمی حلقوں کے لیے ان کے افسانے ہی ان کے ڈھر سارے
تخلیقی کام کا سب سے بڑا مظہر ہیں۔“^۷

مستنصر حسین تارڑ کی وجہ شہرت اگرچہ ناول اور سفر نامہ نگاری ہے۔ انھوں نے
افسانے بھی لکھے اگرچہ افسانوں پر کم توجہ دی تاہم مستنصر حسین تارڑ اردو افسانہ نگاری کی دنیا
بھی اپنی الگ الگ پہچان رکھتے ہیں۔ ان کا افسانہ ”آدھی رات کا سورج“ ایک ایسے بوڑھے
شخص ریئے کلاڑی کہانی ہے جو اولڈ ٹینپل ہاؤس سے بھاگ کر ورلڈ ٹور پر چلا جاتا ہے۔ اولڈ ہاؤس
میں موجود تمام سہولتوں اور اپنے دوست احباب کی موجودگی میں بھی وہ تنہائی کا شکار ہے۔ وہ
عام بوڑھوں کی طرح ہاتھ پر ہاتھ دھرے موت کا انتظار کرنے کے بجائے موت کے استقبال
کے لیے آگے بڑھتا ہے۔ اس افسانے میں تارڑ نے ایک بوڑھے انسان کی خواہشات کو دل کش
انداز سے پیش کیا ہے۔ مستنصر حسین تارڑ کا مشاہدہ عمیق ہے انھوں نے چھوٹے چھوٹے
واقعات کو خوب صورت انداز میں پیش کیا ہے۔

مستنصر حسین تارڑ نے سادہ لوح افراد کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھانے والے افراد کو
بھی پیش کیا ہے افسانہ ”کوٹ مراد“ کا ”کھانوں“ جسے چڑیا گھر کی رونق بڑھانے کے لیے
پنجرے کے قریب زنجیروں سے باندھ کر ایک چار میٹر تھڑے پر بٹھا دیا جاتا ہے تاکہ وہ
چڑیا گھر میں آنے والے افراد کی توجہ مبذول کروا سکے۔ اس کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھاتے
ہوئے نہ صرف اس کی عزت نفس کو بھی مجروح کیا جاتا اور اس کے ساتھ ہتک آمیز سلوک کیا
جاتا۔ تیس روپے کے عوض کھانوں اپنی سادہ لوحی کے ذریعے رزق کمانے پر مجبور تھا لیکن جب
اس کو سفری چڑیا گھر میں تبدیل کیا گیا تو دوسرے جانوروں کے مانند کھانوں بھی مگر مگر گھومتا
رہا لیکن جب اچانک اس نے اپنے گاؤں کوٹ مراد کا نام سنا تو وہاں سے بھاگ گیا۔ تارڑ نے
ایک مردانہ مجبور کردار کھانوں کے ذریعے سماجی المیے کو بیان کیا ہے۔ اس نے کردار کی
مناسبت سے پنجابی زبان کے الفاظ کو مہارت سے استعمال کیا ہے جس سے اس کردار کا علاقائی
رنگ اور مقامی تاثر پختہ ہو کر منظر عام پر آتا ہے۔

مستنصر حسین تارڑ نے پاکستانی معاشرت کی عکاسی کے ساتھ ساتھ مغربی معاشرت کی ترجمانی بھی عمدگی سے کی ہے۔ افسانہ ”یارک شائر کی گائے“ کی نسوانی کردار ”جولی“ محبت کے دو بول بولنے پر ناصر کو اپنا سب کچھ لٹا دیتی ہے لیکن ناصر بے وفائی کر کے اُسے چھوڑ کر راہ فرار اختیار کرتا ہے۔ اس دوران جولی ایک بیٹے ڈیوڈ کو جنم دیتی ہے شادی رجسٹر نہ ہونے کی وجہ سے جولی کے بچے کو سوشل ویلفیئر سنٹر اپنی تحویل میں لے لیتا ہے۔ جولی اپنے پرانے دوست فرید کے پاس آتی ہے۔ فرید کو جب جولی اپنی کہانی سناتی ہے تو فرید احساسِ ندامت میں نہ صرف جولی کو اپناتا ہے بلکہ جولی سے شادی کر کے اس کے بچے کو بھی اپنانے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ وہ جب دونوں سوشل ویلفیئر سنٹر جاتے ہیں تو یہ سن کر حیران رہ جاتے ہیں کہ ایک شادی شدہ جوڑا وہاں سے ڈیوڈ کو لے جاتا ہے۔ تارڑ نے اس افسانے میں مغربی معاشرت میں ناجائز جنسی رشتے اور اس سے پیدا ہونے والے حالات کو بیان کیا ہے۔ مغربی طرز معاشرت میں محولہ بالا واقعات عام ہیں۔

تارڑ کے کردار فرسٹریشن کا شکار بھی دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے افسانے ہمارے معاشرے اور اس کی بدلتی اقدار کا نوحہ بھی پیش کرتے ہیں۔ وہ اپنے کرداروں کی مدد سے بڑی خوب صورتی سے واقعات میں ربط پیدا کرتے ہیں۔ وہ ان کہانیوں کے ذریعے انسان کی ذہنی، جذباتی اور نفسیاتی رویوں کو بے نقاب کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنے افسانوں میں مختلف کرداروں کی صورت میں معاشرتی زندگی، سیاسی حالات و واقعات اور اس سے پیدا ہونے والی صورت حال کو پیش کیا ہے۔ ان کے افسانوں کے متعلق ڈاکٹر مرزا حامد بیگ لکھتے ہیں:

”مستنصر حسین تارڑ نے اپنے افسانوں میں فکری اور نظریاتی محاذ آرائی ان طاقتوں کے خلاف کی ہے جو ترقی پذیر ممالک میں اپنے استحصال کرنے والے پنچے گاڑے ہوئے ہیں“^۸

مستنصر حسین تارڑ منفرد اسلوب بیان کے حامل ہیں۔ ان کی تحریروں میں پنجابی ثقافت، پنجابی تہذیب و تمدن کا رنگ بکھرا دکھائی دیتا ہے۔ پنجابی چوں کہ اردو کے مقابلے میں زیادہ قدیم زبان ہے اور اس کا ذخیرہ الفاظ بھی وسعت کا حامل ہے۔ مستنصر حسین تارڑ نے اسی فرق کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اپنے لیے ایک منفرد اسلوب تشکیل دیا ہے جس میں پنجابی اور اردو کا بہترین امتزاج موجود ہے۔ بالخصوص پنجاب کے دیہات کی عکاسی کرتے ہوئے وہاں کی معاشرت اور رہن سہن کو بیان کیا ہے وہاں پنجابی زبان کا تزکا لطف بھی دیتا ہے اور دیہی معاشرت کو سمجھنے میں معاون بھی ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً:

”میں اسے دیکھنے کی خاطر مزدوروں کے لیے بنے ہوئے چھپر میں گیا تو اس کی ہائے

ہائے سے پورا چہرہ گونج رہا تھا۔ کیا ہوا کھانوں؟ جی کس چٹھ گئی اے..... ہائے کچھ
دوا دارو کیا؟ ہیں جی..... ہائے..... زیادہ تکلیف ہے جو اتنی بلند آواز میں ہائے ہائے
کر رہے ہو؟ تکلیف تے نہیں جی..... ہائے ہائے کرن نال کس گھٹ ہو جاندی اے
جی۔ دوسرے روز اس کا بخار واقعی اتر چکا تھا۔ اب کیا حال ہے کھانوں؟ جی باہر دی
کس تے اتر گئی اے، اندر دی ہے۔“^۹

مستنصر حسین تارڑ کہانی بیان کرنے کے فن سے بخوبی آگاہ ہیں۔ انھوں نے
افسانوں میں دل کش پلاٹ کے ساتھ ساتھ عمدہ اسلوب اپنایا ہے۔ علاوہ ازیں انھوں نے
حکایت کا انداز، تصوف کی اصطلاحات، لوک کہانیاں، ہیر رانجھا، سوہنی مہینوال کے قصے بیان
کرنے کے ساتھ ساتھ شاہ حسین، بلھے شاہ، میاں محمد بخش، شیکسپیر، ایلین، کبیر داس، غالب،
اقبال، فیض، منیر نیازی کے اشعار کا بھی با محمل استعمال کیا ہے۔ اس کے علاوہ کرداروں کی زبانی
قرآنی آیات، احادیث نبوی کے ساتھ ساتھ سائنس اور انسانی نفسیات کو بھی دل کش انداز
میں بیان کیا ہے جس سے جہاں مصنف کے وسعت مطالعہ کا اندازہ ہوتا ہے وہیں افسانہ میں
دل چسپی کے عنصر بھی اضافہ ہوتا ہے۔ مستنصر حسین تارڑ نے نہایت فن کاری کے ساتھ ان
افسانوں میں سماج اور تاریخ کو محفوظ کر دیا ہے۔ ان کے افسانوں میں سماجی اور سیاسی شعور
بکثرت ملتا ہے۔ انھوں نے اپنے سماج کو ادب میں محفوظ کرنے کا کامیاب تجربہ کیا ہے۔

مستنصر حسین تارڑ کے افسانوں میں ”دریا“ ایک استعارے کے طور پر استعمال کیا
گیا ہے ان کے افسانے پاکستانی معاشرے میں جبر کے موضوع پر لکھے گئے ہیں۔ انھوں نے
اپنے افسانوں میں تخلیقی فضا کو عمدہ انداز میں پیش کیا ہے۔ مستنصر حسین تارڑ کے پیش نظر
افسانوں میں انسانی زندگی کے کمالات موجود ہیں بل کہ انھوں نے مظاہر قدرت اور مناظر
فطرت کی کامیاب تصویر کشی کر کے انھیں انسانی زندگی سے ہم آہنگ کر دیا ہے۔

مستنصر حسین تارڑ نے ان افسانوں میں تشبیہات و استعارات کو خوب صورت
انداز میں بیان کیا ہے جس سے افسانوں کی دل کشی میں اضافہ ہوتا ہے۔ قارئین ان کے
افسانوں کے مطالعہ سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

مستنصر حسین تارڑ ایک مثالی نوعیت کے ادیب ہیں ان کی تحریروں کو نئی نسل نے
بہت متاثر کیا۔ ان کی تحریروں ذاتی مشاہدہ کے ساتھ تاریخی معلومات بھی بہم پہنچاتی ہیں۔
علاوہ ازیں انسان دوستی کے جذبے کے ساتھ ساتھ وطن سے محبت کا عنصر بھی ان افسانوں کی
جاذبیت میں اضافہ کرتا ہے۔ انسانی قدروں کا گہرا شعور اور ابدی حقیقتوں کا اظہار کرنے والے
ادیب نے بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود، کرۂ ارض کو استحصال سے پاک کروانے کے لیے اور

پاکستان کو امن و امان کا گہوارہ بنانے کے لیے بھی افسانے لکھے۔

مستنصر حسین تارڑ نے حقیقت کی آنکھ سے انسان اور انسانی مسائل کو دیکھا ایک سچے فن کار کے مانند انھوں نے اپنے علم، بصیرت، مشاہدے اور عمدہ ذوق سے اپنے فن کو مزین کیا اور عالمگیر حقائق کو مشاہدے اور تجربے کی بھٹی میں کُندن بنا کر پیش کیا۔

مستنصر حسین تارڑ کے افسانوں میں معاشرتی، سیاسی تضادات کا برملا اظہار مختلف کرداروں کی زبانی کیا گیا ہے۔ انھوں نے اگرچہ پاکستانی معاشرے کی کمزوریوں پر طنز کیا ہے اور کہیں پاکستان سے باہر عوام کی ذہنی و نفسیاتی حالات کی عکاسی کی ہے۔ انھوں نے اپنے دور کی پیچیدہ نفسی کا مشاہدہ عالمی تناظر میں کیا ہے۔ ان کے بعض افسانوں میں علامت و اساطیری عناصر پائے جاتے ہیں جو افسانے کی دل چسپی اور ان اثر پذیری میں اضافے کا موجب بنتے ہیں۔ مستنصر حسین تارڑ ان افسانوں کے ذریعے سیاسی، معاشرتی، سماجی، اور تہذیبی عصری حالات و واقعات کے ساتھ اپنا نقطہ نظر بھی دل کش انداز میں پیش کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں زندگی کی صداقتوں کو جان دار بنا کر پیش کرتے ہیں۔ وہ ایک ایسے دور کے خواہش مند ہیں جہاں انسان بنیادی انسانی ضرورتوں کا محتاج نہ ہو جہاں محبت کا راج ہو۔ ان کے افسانوں میں پنجاب کی دھرتی کی خوش بو اپنے رنگ بکھیرے ہوئے ہے۔ وہ انسانی جذبات و احساسات کی عکاسی فطری انداز میں کرتے ہیں۔ زندگی جس روپ میں ان کے سامنے آتی ہے انھوں نے دل کش اسلوب اور مؤثر انداز میں اسے قارئین کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ مستنصر حسین تارڑ کی خوش قسمتی ہے کہ انھوں نے مقبولیت کی ایسی بلندیوں کو چھوا جو بہت کم ادیبوں کے حصے میں آئیں۔ ان کی خدمات کو قارئین ادب کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ مستنصر حسین تارڑ کی خوش قسمتی ہے کہ ان کا مقام و مرتبہ ان کی زندگی میں ہی متعین ہو چکا ہے۔

حوالہ جات اور حواشی:

- ۱ ڈاکٹر فرزانہ سید، ”نقوش ادب“، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء، ص۔
- ۲ سلیم اختر، ڈاکٹر، ”اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، آغاز سے ۲۰۰۰ء تک“، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ستائیسواں ایڈیشن، ۲۰۰۵ء، ص ۵۱۲۔
- ۳ مستنصر حسین تارڑ، ”سیاہ آنکھ میں تصویر“، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء، ص ۱۶۴۔
- ۴ ایضاً، ص ۱۷۱۔
- ۵ انوار احمد، ڈاکٹر، ”اردو مختصر افسانہ اپنے سیاسی و سماجی تناظر میں“، مقالہ پی ایچ ڈی، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان، ۱۹۸۳ء، ص ۳۶۱۔

- ۶ ڈاکٹر فرزانہ سید، ”نقوشِ ادب“، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء، ص ۴۹۹، ۵۰۰۔
- ۷ محمد سفیر اعوان، ڈاکٹر، خس و خاشاک تلے، ”ایک مابعد جدید تجزیہ، مشمولہ معیار، مدیر ڈاکٹر رشید امجد، اسلام آباد، شمارہ نمبر ۸، جولائی تا دسمبر ۲۰۱۲ء، شعبہ اردو، بین الاقوامی اسلامک یونیورسٹی، ص ۳۹۷۔
- ۸ ڈاکٹر مرزا حامد بیگ، اردو افسانے کی روایت، ص ۱۳۶۔
- ۹ مستنصر حسین تارڑ، ”سیاہ آنکھ میں تصویر“، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء، ص ۱۸۲۔